تحقیق وتنقید

صہیونی سازش اور عالم اسلام

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

"جو بھی ملک ہماری مخالفت پر آمادہ ہونے کی جرأت کرے ہمیں اس کے پڑوسی ملک کو اس سے برسر جنگ کر دینا ہوگا لیکن اگر یہ پڑوسی ہمارے خلاف متحد ہو جانے کا موقع پیدا کریں تو ہمیں ان کی مقاومت میں بین الاقوامی جنگ مسلط کر دینی ہوگی"[1]

مندرجہ بالا اقتباس کسی مجذوب کی بڑ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تاریخ عالم کے منظم ترین اور مخفی ترین گروہ کے مخفی نوشتہ سے لیا گیا ہے جو زار روس کے پرانے کلیسا (Orthodox Church) کے ایک پادری سرجی نائلس (Surgyei A. Nilus) کو حاصل ہو گئے تھے۔ اس نوشتہ کو "The Protocols of the Learned Elders of Zion" یعنی "نوشتہ ہائے اعظم العلماء صہیونیت" کہا جاتا ہے۔ اس نوشتہ پر دستخط کرنے والوں نے اپنے کو صہیونیت کے تینتیسویں ۳۳ درجہ کے نمائندوں سے تعبیر کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنظیم فری میسن (Free Mason) تحریک کے اعلیٰ ترین عہدیداروں کی تنظیم ہے جسے ایک بے ضرر سماجی (Social) تنظیم سمجھا جاتا ہے اور جس کی شاخیں پوری دنیا میں بشمول ہندوستان کے قائم ہیں۔ یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موجودہ لادینی ترکی کا معمار اور خلافت اسلامیہ کو منسوخ کرنے والا مصطفےٰ کمال اسی تنظیم کا ایک رکن تھا۔ واضح رہے کہ مصطفیٰ کمال خود مسلمان نہیں بلکہ دونمی فرقہ سے تعلق رکھنے والا تھا[2] جو بظاہر مسلمان اور اصلاً یہودی ہوا کرتے ہیں۔

---

[1] The Protocols of the Learned Elders of Zion, Chapter VII Paragr. 3

[2] ائمہ تلبیس از رفیق احمد دلاوری۔ ایوان پبلشرز۔ الہ آباد، صفحہ ۲۸۴۔ ۱۹۸۶ء

فری میسن تحریک خلافتِ فاطمیہ کے "بیت الحکمۃ" ہی کی طرح کی ایک تنظیم ہے۔ بیت الحکمۃ وہی جگہ ہے جہاں حسن بن صباح نے باطنیت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ فری میسن ہی کی طرح یہاں بھی ارکان کے رتبہ میں تدریج تھی یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ بیت الحکمۃ کے مدارج کا پانچواں درجہ "ماسون" (Mason) کہلاتا تھا[1] ممکن ہے فری میسنوں کو ابتدائی تحریک وہیں سے حاصل ہوئی ہو۔ پروٹوکول کے بزرگوں میں تدریج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا سلسلہ سبائی بیج سے پھوٹے ہوئے درخت ہی کی ایک شاخ ہے۔

ان نوشتوں کی روسی اخباروں میں ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء میں اشاعت ہو چکی تھی۔ لیکن پروفیسر نائلس نے انھیں ۱۹۰۵ء میں کتابی شکل میں باقاعدہ اس لیے شائع کیا کہ عیسائی دنیا کو اس خطرناک تنظیم کی زہرناکی کا علم ہو جائے۔ اس کا ایک نسخہ ۱۹۰۶ء میں برٹش میوزیم لندن میں موصول ہوا تھا جسے بعد میں وکٹر، ای، مارسڈن (Victor E. Marsden) نے روسی زبان سے انگریزی میں منتقل کیا۔ موتمر عالم اسلامی نے اس کا ایک نسخہ محفوظ رکھا تھا جس کی مدد سے آج سے تقریباً بیس سال پہلے سوشل ریفارم کمیٹی کویت (Social Reform Committee, Kuwait) نے اسے شائع کیا اور اب اس کی ایک تازہ اشاعت بھی (غالباً پاکستان سے) عمل میں آئی ہے[3]۔

آج یورپ اور امریکہ کو عیسائیوں کا برِاعظم سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ مردم شماری میں ان کی تعداد غالب ہے۔ لیکن نظرِ غائر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں یہودیوں کو یہاں بالادستی حاصل ہے۔ مسلمانوں اور عالمِ اسلام کے تعلق سے آج مغربی دنیا کا جو رویہ ہے۔ اس میں عیسائیوں کی مسلم دشمنی (جیسے محاربات

---

[1] History of Assasins. Von Hammer (Germany) Trans by Oswald, Charles wood, Banaras, 1926, Page 74

[2] Preface to the Jewish conspiracy - Kuwait Edition

[3] پروٹوکول کا اردو ترجمہ مولانا شمس تویز عثمانی نے کیا ہے جو مولانا عامر عثمانی مرحوم کے رسالہ "تجلی" دیوبند کی ایک خصوصی اشاعت میں مکمل طور سے شائع ہو چکا ہے۔

صلیبیہ یعنی Crusades نے دو آتشہ کر دیا تھا) کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی اسلام دشمنی بھی شامل ہے۔ عبداللہ بن سبا اور اس کی ذریت نے عالم اسلام میں جو فساد برپا کیا اور جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ لیکن یہ یہودی قوم جسے اپنے وقت کی مسلم حکومتوں کے سوا کبھی کہیں پناہ نہیں ملی ہمیشہ ان کی جڑ کھودنے میں مشغول رہی۔ یہ سلسلہ بجائے گھٹنے کے اور بڑھتا جا رہا ہے۔

ریاستہائے متحدہ کی سپریم کورٹ کے ایک یہودی جج لوئی۔ ڈی۔ برانڈیز (Louis D. Brandeis نے کہا ہے کہ "(اب) سب لوگوں کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم یہودی ایک الگ ممیز قوم ہیں۔ جس کا کہ ہر یہودی خواہ وہ کسی مرزبوم سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی عقیدہ کا حامل ہو لازمًا ایک رکن ہے۔"[1]

موسیٰ ہس (Moses Hess) اپنی کتاب "روم اور یروشلم" (Rome and Jerusalem) میں لکھتا ہے "اور سب پر مستزاد یہ کہ یہودی مذہب یہودی حب الوطنی ہی کا نام ہے۔"[2]

یہودی دنیا میں جہاں بھی ہے صرف یہودیت کا وفادار ہے۔ ہر حکومت میں یہ فیصلہ کن طاقت رکھتا ہے۔ یورپ کی معیشت، معاشرت، سیاست بلکہ مذہب تک پر اس نے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ حکومتوں کے تعلق سے پروٹوکول کہتا ہے۔

"عوام کی خدمت کے لیے جو منتظمین انھیں میں سے چنے جائیں گے وہ تجربہ کار نہیں ہوں گے اور اس طرح وہ آسانی سے ہمارے ان باصلاحیت اور تعلیم یافتہ مشادرین کے ہاتھوں میں جنھیں بچپن سے دنیوی امور کا انتظام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کٹھ پتلی بن جائیں گے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہمارے ماہرین خصوصی حکومت کرنے کی ضروری ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔"[3]

---

[1] The International Jew, By Henry ford I (Abridged Edition) Page 49

[2] ایضًا ص ۶۱

[3] Protocols. Chapter II, Paragraph 2

اپنی قوت وطاقت کا مظاہرہ پروٹوکول نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ہر شخص کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہمارے خلاف کوئی معاہدہ بذاتہٖ غیر مفید ہے۔ ہم حد سے زیادہ طاقتور ہیں۔ کوئی شخص ہماری دسترس سے باہر نہیں ہے۔ قومیں آپس میں ایک ناقابل ذکر معاہدہ تک بغیر ہماری پوشیدہ (غیر مرئی) دست اندازی کے نہیں کر سکتیں"[1]۔

پھر اور آگے چل کر کہا گیا ہے۔

"خدا نے ہمیں عبقریت بخشی ہے۔ ایسی مقدار میں کہ ہم ہر کام کرنے کے اہل ہیں"[2]۔

اسی پیراگراف میں اور آگے ہے کہ "تمام حکومتوں کی مشین کے پہیئے اس کے انجن کی طاقت سے حرکت میں آتے ہیں۔ جو کہ ہمارے ہاتھوں میں ہے اور حکومت کی مشنری کا یہ انجن دراصل "سونا" ہے۔"[3]

یہودیوں کی اس صفت کا اعتراف محرم رازِ دروں، برطانیہ کے ایک وزیر اعظم ڈزریلی (Benjamin Disraeli) ۱۸۰۴ء–۱۸۸۱ء نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"تم یورپ میں کوئی عقلی تحریک ایسی نہ پاؤ گے جس میں یہودیوں نے زیادہ (سے زیادہ) حصہ نہ لیا ہو۔"[4]

جن لوگوں کو یہودی افکار سے دلچسپی ہو وہ اس کے مشہور ناول CONNINGSBY (اولین شائع شدہ ۱۸۴۴ء) میں ایک یہودی کردار SIDONIA کا مطالعہ کریں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یورپ میں وزرائے اعظم تک بجائے ان حکومتوں کے جن کے وہ سربراہ ہیں، اپنی خفیہ حکومت یعنی "یہودیت" کے وفادار ہیں اور ان کا دم بھرتے ہیں۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اسی لیے فرمایا ہے ؎ فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے یہ اپنے روزِ پیدائش (یعنی جب سے یورپ والوں کا یہاں غلبہ ہوا ہے) سے ہی یہودیوں کی غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔ ہنری فورڈ اول (Henry Ford I) ۱۸۶۳ء–۱۹۴۷ء (مشہور موٹر کمپنی فورڈ کے مالک) نے جنگ عظیم اول کے بعد یہودیوں

---

[1] Protocols, Chap. V, Para 5

[2] Protocols, chap V Para. 7 — [3] ایضاً

[4] مقتبس از The International Jew (Abridged) ص ۶۱

NAVAZ AHMED SHERIFF
75 M MARAPPA THOTA
R PALYAM BANGALORE

کے اثر ونفوذ اور مارکٹ پران کے کنٹرول اور حکومت کے دروبست پران کے استیلاء کی تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے درمیان اپنی رپورٹ پیش کی تھی۔ اس کا ایک ملخص اڈیشن موتمر عالم اسلامی کراچی نے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج نہیں بلکہ شروع ہی سے پورے امریکہ پر یہودیوں ہی کی حکومت ہے۔ نیویارک تو ان کا خصوصی گڑھ ہے۔ لیکن پورے ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) میں بھی یہ "حکومت درون حکومت" کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کمیٹی نے پروٹوکول کا بھی بغور اور تحقیقی مطالعہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت دنیا میں عمومی طور پر اور امریکہ میں خصوصی طور پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ پورے طور پر اس پروٹوکول ہی کے عین مطابق ہے۔ نیویارک کے بارے میں یہ رپورٹ کہتی ہے:

"نیویارک یہودیوں کی آبادی کا دنیا میں بہت بڑا مرکز ہے۔ یہ امریکہ کی تجارتی درآمدات اور برآمدات کا دروازہ ہے۔ جہاں (یہودیوں کے بدست) ٹیکس کی وصولیابی ہوتی ہے اور جہاں خاص طور سے پورے امریکہ کی تجارت ان زر کے مالکوں کو خراج تحسین ادا کرتی ہے۔ اس شہر کی پوری سرزمین یہودیوں کی ملکیت ہے[1]"

آگے چل کر رپورٹ کہتی ہے "خود یہودیوں کا نعرہ ہے کہ وہ اپنے اثرات کا دباؤ ڈالتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ریاستہائے متحدہ (U.S.A) کی بنیاد عیسائیت نہیں بلکہ یہودیت ہے۔ نیز یہ کہ یہودیوں کی وجہ سے جو افتخار اس ملک کو حاصل ہوا ہے۔ اس کے مناسب اعتراف میں یہاں کی تاریخ پھر سے لکھی جانی چاہیے[2]"

امریکہ اور یورپ میں تاریخ لکھی جا چکی ہے اور یہودی سازشوں اور چالبازیوں سے واقف ہونے کے باوجود پوری مغربی دنیا یہودیوں کی پشت پناہی پر مجبور ہے۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کا بالفور اعلان (Balfour declaration) اس کا زندہ ثبوت ہے۔ جب برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ بالفور (Lord Arther James Balfour) ۱۸۴۸ء–۱۹۳۰ء نے عربوں اور دنیا کے تمام مسلمانوں سے کیے گئے وعدوں سے صریح بددیانتی کا ثبوت دیتے

۱ے The International Jew Page 12
۲ے The International Jew Page 18

ہوئے فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن بنانے کا اعلان کیا۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے وہاں کی تجارت، معیشت، ذرائع ابلاغ، شراب خانے، جوئے کے اڈے پالیسی ساز ادارے یہاں تک کہ حکومت خود یہودیت اور صہیونیت کے غلام ہیں[1]۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ امریکہ کا کوئی بھی شہری اسرائیل میں جاکر دوسروں سے جنگ لڑ سکتا ہے۔ حکومت اس فعل میں مانع نہ ہوگی۔

اب یہ بات بھی بتحقیق ثابت ہو چکی ہے کہ ۱۹۱۷ء کا بالشویک انقلاب تمام تر یہودی سازشوں اور تخریبی کارروائیوں کے نتیجہ میں وجود میں آیا تھا۔ روسی پولٹ بیورو (Politbureau) میں نصف سے زیادہ ارکان یہودی رہے ہیں۔ اشتمالیت (Communism) کے اعاظم رجال مارکس (Karl marx) ۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء لینن (Vladimir Lenin) ۱۸۷۰ء-۱۹۲۴ء، ٹراٹسکی (Leon Trotsky) ۱۸۷۷ء-۱۹۴۰ء وغیرہ یہودی ہی تھے۔ کارل مارکس ہی کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

صاحبِ سرمایہ[2] از نسلِ خلیل[3] — یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
زانکہ حق در باطل او مضمر است — قلبِ او مومن دماغش کافر است

نیز یہ بھی

آں کلیمِ بے تجلی آں مسیحِ بے صلیب — نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

پروپیگنڈہ یہودیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کو گیس چیمبر (Gas chamber) میں ڈال کر ہلاک کر دینے کے پروپیگنڈے اور تشہیر سے صہیونیت نے بہت سے مقاصد حاصل کیے۔ اول تو یہ کہ پورے براعظم ہائے یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا کے عوام کی ہمدردیاں اس نے حاصل کریں۔ دوسرے جرمنوں کے ضمیر کو اس نے ہمیشہ کے لیے احساسِ جرم میں مبتلا کر دیا۔ جس کا کفارہ تاوان کی صورت میں ادا کرنے کے علاوہ خلیج کی حالیہ جنگ میں بھی اس کی شمولیت ہے۔ تیسرے

۱؎ ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب۔ یہ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اسے غور و فکر سے پڑھا جائے۔

۲؎ DAS KAPITAL-1867۔ کارل مارکس کی تصنیف اور اشتراکیوں کی بائبل۔

۳؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی یہودی۔

بالفور اعلامیہ کے مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ (U.N.O.) کے ذریعہ اس نے فلسطین کی تقسیم کرائی[1] اور چوتھے خود یہودیوں نے روس میں انقلاب کے دوران اور مابعد دس کروڑ انسانوں کو اذیت دے کر کیمپوں میں نظر بند کر کے اور سائبیریا (Siberia) میں جلاوطن کر کے جو قتل عام کیا تھا اس پر پردہ ڈال دیا۔ Committee for Truth in History (تاریخی حقائق کی جانچ کرنے والی کمیٹی) نام کی ایک تنظیم نے یہودیوں کے ذریعہ انتہائی بہیمانہ طریقہ سے قتل کیے گئے افراد کی تعداد تقریباً دس کروڑ بتلائی ہے۔

تفصیل یوں ہے۔

یو۔ ایس۔ ایس۔ آر	۴۵,۰۰۰,۰۰۰
یورپ (مشرقی یورپ کا روسی حصہ)	۳,۶۰۰,۰۰۰
ایشیا (روسی حصہ)	۴۶,۲۰۰,۰۰۰
	۹۴,۸۰۰,۰۰۰

یہ کمیٹی The Myth of Six Million (ساٹھ لاکھ کا افسانہ)[2] کے عنوان سے ایک کتاب شائع کر چکی ہے اور اب اس کی دوسری رپورٹ کا پہلا حصہ The Six million Reconsidered (ساٹھ لاکھ پر نظر ثانی) کے نام سے سامنے آیا ہے[3]۔ یہودیوں کی زبردست مخالفت اور چیرہ دستیوں کے باوجود اس رپورٹ کا برطانوی ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مصورہ ۱۲۴ صفحات کی رپورٹ میں ایک درجن عنوانات اور ۱۳۷ حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ یہودیوں کی تاریخ ہمیشہ جھوٹے پروپیگنڈے کی رہین منت رہی ہے لیکن موجودہ صدی میں اس نے جھوٹ بولنے کا ایک تاریخی اور بین الاقوامی ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کے قتل کے افسانہ کو ایسی شہرت اس نے دی ہے کہ یہودیوں کے اجتماعی جرائم پردۂ خفا میں چلے

---

[1] U.N. Revolution No. 181C11 of 29th Nov. 1947

[2] The Six Million Reconsidered, U.K. Edition, 1979, Page 98

[3] Published by Historical Review Press, Chepel Ashoka, Ladbroke, Southam, Works.

گئے ہیں۔ سوویت یونین میں دس کروڑ انسانوں کو جس بیدردی سے انھوں نے قتل کیا ہے۔ مغرب بجائے اس کا نام لینے کے اسے چھپانے پر مجبور رہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہودیوں کے اوپر جس قدر ظلم و ستم کا رونا رویا گیا ہے۔ اس سے کئی گنا زیادہ ظلم و ستم خود یہودی ارض فلسطین میں ڈھا رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی پیمانہ پر ان کے ظلم و ستم کا سلسلہ تمام ہی حکومتوں کے زیرِ سایہ جاری ہے[۱] شیکسپیئر (William Shakespare) ۱۵۶۴ء/۱۶۱۶ کے یہودی کردار شائیلاک (Shylock) نے یہودی لالچ اور اذیت پسندی کو ممثل کر دیا ہے[۲] ہیلیری بیلک (Hillaire Belloc) ۱۸۷۰ء/۱۹۵۳[۳] جی کے چسٹرٹن (G.K. Chesterton) ۱۸۷۴ء/۱۹۳۶[۴] اور ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ۔ (T.S. Eliot)[۵] ۱۸۸۸ء/۱۹۶۵ نے اپنی تصانیف میں یہودیت کا پردہ فاش کیا ہے۔ اس فہرست میں مشہور ادیب، مفکر اور ڈرامہ نگار جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw) ۱۸۵۶ء/۱۹۵۰ کا نام بھی شامل ہے[۶] ولیم گرمسٹاڈ (William Gramsted) نے ANTIZION کے نام سے ایک مجموعہ اقوال مرتب کیا ہے[۷] اس کتاب میں مرتب نے ادبا، شعرا اور دوسرے مفکرینِ عالم کے افکار کو جمع کیا ہے۔ جنھوں نے یہودیوں اور ان کے خصائل کا تجزیہ کیا ہے اور اس پر ان کے اقوال مضامین اور کتابیں پائی جاتی ہیں۔ مرتب نے اس مجموعہ کو شاہ فیصل مرحوم ۱۹۰۶ء/۱۹۷۵ کے نام معنون کیا ہے جو عربوں میں سب سے بڑے صہیونیت شناس تھے اور جنھیں مبینہ طور سے عالم یہود اور امریکہ نے ایک سازش کے

۱۔ مندرجہ بالا کتاب کا ملخص مفہوم۔

۲۔ شکسپئر کا مشہور ڈرامہ Merchant of Venice (وینس کا سوداگر) جس کی نمائش امریکہ کے بہت سے شہروں میں ممنوع ہے۔ بحوالہ International Jew ص ۱۱۷

۳۔ ملاحظہ ہو اس کی تصنیف The Jews

۴۔ چسٹرٹن کے یہاں یہودیوں کے تعلق سے بے شمار حوالے ہیں جنھیں اس کی تحریروں میں متفرق طور سے دیکھا جا سکتا ہے۔

۵۔ ملاحظہ ہو Bleistein with a cigar اور Burbank with a Baedeker

۶۔ ملاحظہ ہو اس کا مشہور ترین ڈرامہ Man and Superman (انسان اور فوق الانسان)

۷۔ Published by the Noontide Press, P.O. Box 1248, Torrance, CA 90505 U.S.A. 1973

تحت شہید کرادیا تھا۔[1] صہیونی عزائم کے شکاروں میں مرحوم ضیاء الحق (پاکستان) بھی شامل ہیں۔ اور ضیاء الرحمٰن مرحوم (بنگلہ دیش) کو بھی اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

یہودیوں کے کردار کی قرآن کریم نے جس انداز میں تصویر کشی کی ہے اس میں تمام انسانوں کے لیے درس عبرت ہے[2] قرآن کتابِ ہدایت ہے کتاب تاریخ نہیں ہے لیکن قرآن نے یہودیوں کی جو فردِ قراردادِ جرم (Charge Sheet) مرتب کی ہے اس کا تقابل اگر آپ بائبل (Bible) کے عہد نامہ عتیق (Old Testament) اور تلمود (Talmud) سے کریں تو اس کے شواہد مل جائیں گے۔ اناجیل اربعہ (Gospels) میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ان کے کردار کی رونمائی کی ہے۔

اسلامی تاریخ میں جنگ جمل اور جنگِ صفین سے جو سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کی تفریق اور خصوصیت سے "شیعیت" میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں ان سب میں یہودی ہاتھ کارفرما رہا ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی نے "تلبیس ابلیس" میں، علامہ عبدالقادر بغدادی نے "الفرق بین الفرق" میں علامہ عبدالکریم شہرستانی نے "الملل والنحل" میں اور علامہ مقریزی نے "الخطط والآثار لمصر" میں ان کی بہت سی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اردو زبان میں جناب رفیق دلاوری صاحب نے ایک نہایت محققانہ اور بیش قیمت تصنیف "ائمہ تلبیس" کے نام سے پیش کی ہے۔[3] حسن بن صباح کی باطنیت (Esotricism) ابوطاہر قرمطی کا الحاد (Atheism) اور بابک خرمی کی اباحیت (Libralism) سب اسی فتنۂ یہودیت کے پروردہ تھے۔

موجودہ دور میں عالمِ اسلام پر سب سے پہلا حملہ اس دور کے بابائے صہیونیت تھیوڈور ہرزل (Theodore Herzl) ۱۸۶۰ء–۱۹۰۴ء نے کیا جب ۱۸۹۷ء میں اس نے ایک وفد کے ساتھ خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی ۱۸۴۲ء–۱۹۱۸ء (مدت خلافت ۱۸۷۶ء–۱۹۰۹ء) سے فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لیے ایک قطعہ زمین خریدنے کی درخواست کی اور اس کے صلہ میں بابِ عالی کے تمام قرضوں کو ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن سلطان مرحوم

---

1. جون ۷۶ء میں نیویارک کے شہریوں سے ان کا خطاب وہاں کے یہودی میئر (Mayor) نے منسوخ کر دیا تھا۔
2. اس موضوع پر اردو زبان میں مولانا عبدالکریم پاریکھ کی مشہور کتاب "قومِ یہود اور ہم" ملاحظہ فرمائی جائے۔
3. شائع کردہ ایوان کمپنی۔ نخاس کہنہ۔ الٰہ آباد۔

نے نہ صرف اس کی درخواست کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا بلکہ ہرزل کو بھی ذلیل کرکے اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ یہ بات کہی جاتی ہے کہ ۱۹۰۹ء میں جب سلطان عبدالحمید ثانی کو معزول کیا گیا تو پروانۂ معزولی لے جانے والا وہی وفد تھا جو ۱۸۹۷ء میں ہرزل کے ساتھ گیا تھا۔[۱] مسلمانان ہند کو اس بات پر بہت افسوس و ندامت ہے کہ مصطفیٰ کمال جسے انھوں نے غازی اور پاشا کا خطاب دے کر سر آنکھوں پر بٹھایا تھا وہ ازلی اسلام دشمن تھا۔ جس نے ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو منصبِ خلافت کا خاتمہ کرکے امتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔[۲] تب سے آج تک اس امتِ مرحومہ کا کوئی سیاسی مرکز نہیں ہے۔

یہ وہی زمانہ ہے جب سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے ۱۹۲۵ء میں نجد سے بڑھ کر پورے حجاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سے پہلے انھوں نے ۱۹۰۲ء میں صرف چند درجن لٹھ بند نوجوانوں کی مدد سے ریاض پر قبضہ کیا تھا۔[۳] لیکن اس وقت بقول علامہ اسد (Ex Leopold Weiz) کے "عرب کی روایتی سادگی کو تیل کے سنہرے دھارے نہیں بہالے گئے تھے"۔[۴] ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۶ء میں خلافت کے مسئلہ پر دو کانفرنسیں ہوئی تھیں۔ جن میں سے دوسری الغائے خلافت کے بعد قاہرہ میں ہوئی تھی۔[۵] امید کی جا رہی تھی کہ شاہ عبدالعزیز ابن سعود خلافت کا احیا کریں گے جس کا انھوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ اشارہ بھی دیا تھا۔ لیکن ۱۰ جنوری ۱۹۲۶ء کو قاہرہ کے ایک تار سے اہل ہند کو اچانک معلوم ہوا کہ ابن سعود نے ملک النجد والحجاز ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔[۶] سلطان کے اس فیصلہ میں وہ عظیم وفد بھی کوئی ترمیم نہ کرا سکا جس میں مفتی کفایت اللہ مرحوم، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا احمد سعید مرحوم، علی برادران اور

۱۔ ملاحظہ ہو "امۂ تلبیس" از رفیق احمد دلاوری

۲۔ Encyclopadia Britanica, vol 20, Page 608, also vol. 4, Page 653, 1965

۳۔ Encyclopadia Brilanica, vol. 20 Page 11A, Encyclopadia Americana Vol. 24 Page 305, 1984

۴۔ Road to Mecca, By Allama Asad

۵۔ تحریک خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی، ترقی اردو بیوریو نئی دہلی ۱۹۸۲ء۔ باب ۱۳ Encyclopadia Britanica, vol 4. Page 653

۶۔ تحریک خلافت ص ۲۶۲

دیگر لوگ شامل تھے[1] واضح رہے کہ ابن سعود اور شریف مکہ کی اس آویزش میں برطانیہ نے شاہ حسین ابن علی کی امداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن حکومت ہی کے انڈیا آفس (India office) نے مالی امداد ابن سعود کو دی تھی[2]۔ اس سے برطانیہ کی دوغلی پالیسی کا پتہ چلتا ہے۔

اگرچہ مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں ۱۹۲۲ء میں سمرنا (Izmir) کی فتح ترکی کی زبردست کامیابی تھی اور یونانیوں کی شکست میں عیسائیوں کی زبردست ناکامی لیکن ۱۹۲۴ء میں اتاترک کے ہاتھوں الغائے خلافت (Abolition of caliphata) یہودیوں کی اس صدی کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ دوسری کامیابی انھیں اس وقت ہوئی جبکہ ابن سعود جیسے دین دار بادشاہ نے منصب خلافت کا احیاء کرنے سے انکار کر دیا۔ فلسطین میں سلطان عبدالحمید سے ایک قطعہ زمین کی بازیافت میں ناکامی کے بعد یہ ہنگرین نژاد یہودی مایوس نہیں ہوا بلکہ اس نے ۲۷ تا ۲۹ اگست ۱۸۹۷ء میں بیسل (Basle) سوئٹزرلینڈ (Switzerland) میں عالمی یہودی کانفرنس منعقد کی جس میں فلسطین میں یہودیوں کا ایک قومی وطن بنانے کا عہد کیا گیا۔ اس سے قبل ۱۸۹۶ء میں وہ جرمن زبان میں اپنا مشہور رسالہ Jewish state یا Der Juden Staat (یہودی ریاست) شائع کر چکا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں اس نے یہودی قومی فنڈ (Jewish National Fund) قائم کیا تاکہ اس سے صہیونیوں کے لیے فلسطین میں زمین خریدی جا سکے[3]۔ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

"اگر میں ایک لفظ میں اس کانگریس (۱۸۹۷ء کی بیسل کانگرس) کو بیان کروں، جس کا شائع کرنا مناسب نہ ہوگا۔ تو وہ یہ ہوگا کہ میں نے بیسل میں (یعنی ۱۸۹۷ء ہی میں) یہودی ریاست قائم کر دی ہے۔ اگر میں آج باعلان یہ بات کہہ دوں تو دنیا زور سے ہنسے گی لیکن شاید پانچ برس کے اندر یا زیادہ سے زیادہ پچاس سال کے اندر دنیا دیکھ لے گی کہ یہ بات

---

[1] تحریک خلافت صفحات ۲۶۲ تا ۲۶۴ از قاضی عدیل احمد عباسی۔

[2] Encyclopaedia Americana 1984. Vol, 24, Page 305 and Encyclopaedia Britanica 1985, Vol 20, Page 11 A

[3] Encyclopaedia Britanica 1965, Vol. 11, Page 459 نیز Encyclopaedia Americana 1984, Vol. 14, Page 162

سچی ثابت ہوگئی ہے۔"[۱]
ایک مصنف کے بقول "اس کی پیشنگوئی صحیح ثابت ہوئی اور وہ اسرائیل میں دوبارہ دفن کیا گیا۔[۲]
اس کی موت ۱۹۰۴ء میں وائنا (Viena) میں ہوئی تھی اور وہ وہیں دفن ہوا تھا۔ لیکن اس کی تدفین ثانی یروشلم میں اس کی خواہش کے مطابق ہوئی تھی۔[۳]
یہ ہے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی بنیاد کی تاریخ۔ ابتدا میں تو خود ہرزل کو بھی اس پر اصرار نہیں تھا کہ یہ ریاست فلسطین ہی میں قائم ہو بلکہ ایک موقع پر برطانیہ نے اگانڈا (Uganda) افریقہ (Africa) میں یہودیوں کو جگہ دینا منظور بھی کر لیا تھا لیکن ان لوگوں نے اسے مسترد کر دیا۔ ہرزل نے فلسطین میں جس یہودی ریاست کا نقشہ بنایا تھا اس میں یہودی اور عرب سب کو برابر کے حقوق حاصل رہنے کی بات کہی تھی[۴] لیکن بعد کے یہودیوں نے یورپی صلیبیوں کے طرزِ عمل سے جری ہو کر اور پروٹوکول پر عملدرآمد کرتے ہوئے ایسی صورت حال پیدا کی کہ فلسطین کی شکل بدل کر موجودہ نام نہاد اسرائیل کی ہوگئی۔
"پروٹوکول" کی یہودی قومی زندگی میں بڑی اہمیت ہے کیونکہ یہ ان کا خفیہ اجتماعی پلان ہے۔ لیکن یہودیوں نے اسے یہ کہہ کر بالکل جھٹلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ خیالی افسانہ ہے۔ Protocols of the Learned Elders of Zion کا ذکر سوائے Encyclopaedia Americane کے اور کہیں نہیں ملتا۔ اس کا مقالہ نگار جو غالباً خود بھی یہودی ہے۔ اس کے بارے میں لکھتا ہے "ایک الحاقی دستاویز جو یہودیوں اور فری میسنوں سے منسوب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عیسائی معاشرہ برباد ہو جائے گا اور اس طرح ان کے (صہیونیوں کے) زیرِ اقتدار ایک غیر عیسائی معاشرہ کے قیام کا سبب بنے گا۔ جنگِ عظیم اول کے فوراً بعد اس نے (پروٹوکول نے) بہت زیادہ اعتبار حاصل کر لیا تھا۔ لیکن بعد میں یہ پردۂ خفا میں چلا

---

[۱] Encyclopaedia Americane vol. 14 Page 162
[۲] ایضاً
[۳] Encyclopaedia Americane vol. 11 Page 459
[۴] ایضاً

گیا کیونکہ ۱۹۲۱ء میں لنڈن ٹائمز (London Times)[1] میں فلپ گریو (Philip Grave) نے کچھ اساطیری ذرائع سے اس کی مطابقت ثابت کردی ہے۔"[2]

محققین فورڈ کمیٹی[3] اس دلیل کا جواب پہلے ہی دے چکے تھے۔ لیکن نہ لنڈن ٹائمز کے مقالہ نگار (Philip Grave) نے اس کا ذکر کیا نہ ہی Encyclopaedia Americana کے مقالہ نگار نے یہ ان دونوں کی صریح بد دیانتی کی دلیل ہے۔ کمیٹی کی تحقیق یہ تھی کہ "اگر یہ دستاویزات (Protocols) جعلی ہیں جیسا کہ یہودیوں کی طرف سے معذرت پیش کرنے والوں کا موقف ہے تو ان جعل سازوں نے واضح طور سے اسے یہودیوں کی تصنیف ثابت کرنے میں اتنی محنت کی ہے کہ ان کے مخالف سامیت[4] (Anti Sentism) مقصد کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے لیکن (حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود) انھوں نے (پوری دستاویز میں) لفظ "یہودی" کا استعمال فقط دو بار کیا ہے۔ لیکن ان دستاویزات کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ کن لوگوں (عیسائیوں) کے خلاف یہ منصوبہ بندی کی گئی ہے"[5]

ہنری فورڈ اول (Henery Ford I) نے جس نے یہ تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی۔ ۱۷ فروری ۱۹۲۱ء کو یہ بیان دیا تھا: "ان دستاویزات (Protocols) کے بارے میں میں صرف اتنا کہنا پسند کروں گا کہ یہ حالات حاضرہ پر پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ دنیا کے حالات ماضی اسی کے مطابق ہیں اور حالات حاضرہ پر بھی یہ مکمل طور سے فٹ ہیں۔"[6]

لیکن ہنری فورڈ کی یہ محنت یہودی پروپیگنڈہ نے بالکل زائل کردی۔ جس طرح انھوں نے پروٹوکول کے نسخوں کو خرید خرید کر ضائع کر دیا تھا[7] اور اس کی اشاعت کو ناممکن

---

[1] یہودی ملکیت کا اخبار

[2] Encyclopaedia Americana, Vol:22 Page 694

[3] اس کمیٹی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

[4] یہ ایک یہودی گالی ہے جس شخص کو یہ اپنا مخالف سمجھتے ہیں اسے فوراً "سامی مخالف" کا خطاب دیدیتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہودی اپنا شجرہ نسب حضرت نوحؑ تک ان کے بیٹے سام کے توسط سے پہنچاتے ہیں، ملاحظہ ہو بائبل کتاب پیدائش ابواب ۱۰، ۱۱

[5] The International Jew. Page 75

[6] Introduction to the International Jew - Page 2

[7] Preface to the "Jewish Conspirecy" Kuwait

بنا دیا تھا۔ ویسے ہی ہنری فورڈ کو بھی مجبور کر دیا کہ اس کی اشاعت روک دیں۔ قدرتی طور سے صہیونی حلقوں کی طرف سے زبردست شور و غوغا ہوا اور مسٹر فورڈ کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا گیا۔ آخر کار زبردست دباؤ کی وجہ سے ہنری فورڈ نے کتاب کی اشاعت روک دی یہودی اور ان کے دوست کتب فروشوں کے یہاں پہنچے اور جس قدر بھی نسخے ہاتھ لگے انھوں نے خرید کر ضائع کر دئے۔ کتاب چوروں کو مامور کیا گیا کہ لائبریریوں کو کھنگالیں اور جو نسخہ بھی نظر آئے اسے چرالائیں۔ اس عمل نے کتاب کو اس قدر نادر اور عسیر الحصول بنا دیا کہ یہ صرف "قدر دانوں کی پسند" بنکر رہ گئی[1]

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی فرد قرارداد جرم ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کے اوپر نافرمانیوں کی پاداش میں دو مرتبہ تباہی نازل کی گئی ہے[2] ان تباہیوں کا ذکر عہد نامہ عتیق (Old Testament) کی کتاب زبور[3] (Psalms) یسعیاہ[4] (Isaiah) یرمیاہ[5] (Jeremiah) اور حزقی ایل[6] (Ezekiel) نیز عہد نامہ جدید (New Testament) کی کتاب متّی[7] (Mathew) اور لوقا[8] (Luke) میں موجود ہے۔ پہلی تباہی جس کا ذکر عہد نامہ عتیق میں ہے ۷۲۱ ق م میں شروع ہوئی اور ۵۸۷ ق م میں بادشاہ بخت نصر (Nebuchad nezzar) ۶۰۵ / ۵۶۲ ق م کے ذریعہ یروشلم کی بربادی اور یہودیوں کی جلاوطنی پر ختم ہوئی۔ واپسی کا عمل ایران کے شہنشاہ کیخسرو (cyrus) م ۵۲۹ ق م کے فتح بابل یعنی ۵۳۹ ق م میں شروع ہوا اور ۴۴۵ ق م میں نحمیاہ نبی کے زمانہ میں مکمل ہوا۔ دوسری تباہی جس کا ذکر عہد نامہ جدید میں ہے ۷۰ء میں واقع ہوئی جب

---

[1] Introduction to the International Jew - Page I

[2] سورۂ بنی اسرائیل: ۴ تا ۷ — [3] باب ۱۰۶: ۳۴ تا ۴۶

[4] ابواب ۱، ۲، ۳، ۸ اور ۳۰ — [5] ابواب ۲، ۳، ۵، ۷ اور ۱۵

[6] باب ۲۳: ۳ تا ۱۶۔ یہاں بائبل کا انداز بیان اتنا فحش ہے کہ اس کو کلام الٰہی ماننا ہی دشوار ہے۔ (اہولہ اور اہولیبہ دو بہنوں کی تمثیلی کہانی)

[7] باب ۲۳: ۳۴ تا ۲۸ باب ۲۴: ۲ — [8] باب ۲۳: ۲۸ تا ۳۰

رومی شہنشاہ طیطس (Titus Flavius Sabinus Vespasib.nus)
۸۱ء نے یروشلم کو تباہ و برباد کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور تمام یہودیوں کو جلا وطن کردیا۔[1] تب سے یہودی دنیا کے تمام ملکوں میں بکھر گئے ہیں۔ لیکن ان کی بڑی تعداد امریکہ اور یورپ میں ہے۔ جہاں سے وہ اس صدی کی دوسری دہائی سے مسلسل فلسطین میں منتقل ہورہے ہیں اور ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو نام نہاد اسرائیل کے قیام کے بعد اس میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ جون ۶۷ء کی شش روزہ جنگ کے بعد تو یورپ کے کمیونسٹ ملکوں کے یہودی بھی برابر فلسطین میں آباد ہوتے جارہے ہیں۔

اس جلاوطنی کو جو اللہ تعالیٰ نے بطور عذاب ان کے اوپر مسلط کیا تھا یہودی ذہن اپنے لیے رحمت قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"خدا نے ہم یعنی اس کے منتخب بندوں کو بطور نعمت ملک بدری عطا فرمائی اور اسی چیز میں جسے کہ تمام دنیا ہماری کمزوری سمجھ رہی ہے ہماری پوری طاقت پوشیدہ ہے جس نے ہمیں آج عالمی حکومت میں اقتدار اعلیٰ کے باب الداخلہ پر لا کھڑا کیا ہے"۔[2]

یہ ہے وہ قوم جسے اللہ نے سبت (سنیچر) کی حرمت توڑنے کے جرم میں بندر اور سور بنا دیا اور ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔[3] جن نے انبیاء تک کو قتل کرنے میں باک نہیں محسوس کیا۔[4] جو حضرت مسیح علیہ السلام کو بزعم خود قتل کرکے اس پر فخر محسوس کرتے رہے۔[5] جنھوں نے نبیوں کی موجودگی میں بھی کھلم کھلا شرک کا ارتکاب کیا۔[6] جن کے اوپر ذلت اور مسکنی طاری کردی گئی۔[7] اور جنھیں بالیقین پناہ نہیں ملے گی مگر یہ کہ اللہ کی ذمہ داری میں یا انسانوں کی ذمہ داری میں۔[8]

---

۱ مولانا مودودیؒ نے ان تمام چیزوں کی تفصیل پیش فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحات ۵۹۱ تا ۶۱۲۔ مولانا آزادؒ نے بھی تفسیر ترجمان القرآن جلد چہارم (ساہتیہ اکاڈمی اڈیشن) کے صفحہ ۲۵۲-۲۵۴ پر اس طرف بہت مختصر اشارہ کیا ہے

۲ Protocol, chap 11, Para 8

۳ القرآن، المائدہ: ۶۰

۴ القرآن، النساء: ۱۵۵

۵ القرآن، النساء: ۱۵۷

۶ القرآن، النساء: ۱۵۳

۷ القرآن۔ البقرہ: ۶۱

۸ القرآن، آل عمران: ۱۱۲

مگر یہودی ذہنیت یہ ہے کہ عذابِ الٰہی کو بھی دنیوی مفاد کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ یہودیوں نے نہ تو اپنے ان گناہوں سے انکار کیا ہے نہ ہی وہ ان پر شرمسار ہیں۔ بحر مردار کے زلزلہ کو جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر بطور عذاب کے آیا تھا۔ انھوں نے معدنی ذخائر کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ ایسے ہی اس عذاب ملک بدری کو اپنے لیے رحمت سمجھتے ہوئے انھوں نے تمام ممالک میں نفوذ و استیلاء کا ذریعہ بنالیا۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو اعلان بالفور (Balfour declaration) ہوا اور ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو مغربی طاقتوں کی آلۂ کار اقوام متحدہ (U.N.O.) نے دو تہائی اکثریت سے فلسطین کی تقسیم کی قرارداد منظور کر لی[۲] جس میں ۵۷ فیصد فلسطینی زمین یہودیوں کو اور ۴۳ فیصد زمین عربوں کو دی گئی۔ اس طرح یہودیوں کو اپنے مزعومہ ارض موعود[۳] میں لوٹنے کا ایک موقع حاصل ہوگیا۔ اس وقت فلسطین میں یہودی بہت قلیل تعداد میں تھے۔ بقول ایک محقق کے "تیس[؟] ہزار فوجی جنھیں جنگ عظیم میں شمولیت کی وجہ سے لڑائی کا تجربہ تھا اس کام میں لگ گئے۔ خفیہ اسلحہ جات کے خزانے جمع کیے گئے۔ اس دوران ہی زیر زمین فوج سبوتاژ اور غیر قانونی تارکین وطن کے جہاز لانے میں مشغول رہی جبکہ مختلف مسلح ٹکڑیاں قتل اور غارتگری میں مصروف رہیں"[۴]

"۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو (نام نہاد) اسرائیل نے ایک خودمختار ریاست ہونے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی ریاستہائے متحدہ امریکہ اور روس نے فوراً اسے تسلیم کر لیا"[۵]

---

[۱] ملاحظہ ہو بائبل۔ کتاب پیدائش۔ باب ۱۹۔ آیات ۲۴، ۲۵ نیز القرآن، ہود: ۸۲، ۸۳

[۲] Encyclopaedia Americana vol 15, Page 532

[۳] اس ارض موعود کی حقیقت قرآن کریم نے یوں بیان کی ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحون (الانبیاء: ۱۰۵) "اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے" یہ بات قرآن میں زبور کے حوالہ سے کہی گئی ہے۔ زبور کے مرموز نمبر ۳۷ میں یہ آیتیں آج بھی موجود ہیں لیکن یہود توریت اور زبور کے بجائے تلمود کو زیادہ قابل عمل سمجھتے ہیں جو بائبل کے مقابلہ میں زیادہ گمراہ کن اور لغو ہے۔

[۴] Encyclopaedia Americana vol. 15, Page 1403

[۵] ایضاً ص ۵۳۲

مسلم ممالک میں سے ترکی نے اپنی عرب دشمنی میں اسے تسلیم کرلیا اور انڈونیشیا نے اسلام دشمنی میں۔

اسرائیلی ریاست کا اعلان ہوتے ہی پڑوسی عرب ریاستوں نے یہودیوں کے ساتھ جنگ شروع کردی۔ لیکن اسلحوں کی برتری کی وجہ سے یہودی اپنا رقبہ بڑھاتے ہی رہے عرب ممالک سے ان کی کئی جنگیں ہوئیں ۱۹۵۶ء میں اسرائیل۔ برطانیہ اور فرانس نے مل کر نہر سویز پر قبضہ کرلیا لیکن عالمی رائے عامہ کے دباؤ اور امریکہ کی خواہش پر انھیں خالی کرنا پڑا۔

اسرائیل نے سب سے مہلک حملہ ۱۹۶۷ء میں کیا جبکہ ۵ رجون کو اچانک حملہ کرکے اس نے مصر، اردن، شام اور عراق کی مشترکہ قوت کو پاش پاش کرکے نہ صرف پورے فلسطین بلکہ غازہ پٹی۔ صحرائے سینائی اور گولان کی پہاڑیوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ بقول انسائیکلو پیڈیا امریکانا کے "اسرائیل نے ضرب لگائی اور تاریخ جنگ کے ایک نہایت کامیاب اور زبردست حملہ میں دشمن کی قوتوں کو صرف چھ دنوں میں پارہ پارہ کرکے رکھ دیا" [۱]

اقوام متحدہ نے اس وقت اسرائیلی انخلا، کی کئی تجویزیں منظور کیں لیکن اسرائیل نے سب کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کو امریکہ مسترد (Veto) کرتا رہا۔ اس وقت ان تجاویز میں بار بار یہی بات کہی جاتی رہی کہ عرب اسرائیل کو تسلیم کریں اور وہ ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ علاقے خالی کردے۔ اس وقت مقبوضہ علاقوں کو غیر مشروط طور سے خالی کرنے کی بات نہیں کہی گئی۔

آج اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر ۶۷۸ کا بڑا غلغلہ ہے۔ یہ وہی قرارداد ہے جس میں عراق سے غیر مشروط طور پر کویت خالی کردینے کی بات کہی گئی تھی۔ بات تو صحیح ہے لیکن اقوام متحدہ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ اس کے لیے جنگ اور تباہی کے دہانے کھول دے۔ اگر آج عراق نے اقوام متحدہ کا تقدس مجروح کیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقدس موجود ہی کب تھا؟ یہ تو ۱۹۶۷ء ہی میں اسرائیل امریکہ اور ان کے مغربی حلیفوں کے ہاتھوں پامال

---

[۱] Encyclopaedia Americane vol.15 P. 637

ہو چکا تھا۔ جہاں تک اسرائیل کے وجود کا سوال ہے اول تو اقوام متحدہ کو یہ حق ہی حاصل نہیں تھا کہ عربوں کی سرزمین کو بیرونی قزاقوں کے لیے کھول دیتا۔ دوسرے بفرض محال اس کا حق مان بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ فلسطین کے ۵۷ فیصد حصہ پر یہ حق قائم ہوگا۔ آخر بقیہ مغصوبہ علاقے اسرائیل سے واپس لینے کے لیے اقوام متحدہ نے کیا کیا؟

علامہ اقبال مرحوم نے مجلسِ اقوام (League of Nations) کے بارے میں فرمایا تھا۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند[1]

موجودہ اقوام متحدہ (United Nations Organisation) بھی ویسی ہی کفن چوروں کی انجمن ہے اور یہاں قبروں کی تقسیم کا بڑا حصہ ان پانچوں کے تصرف میں ہے جنھیں سلامتی کونسل (Security Council) میں حق استرداد (Veto Power) حاصل ہے۔

سعودی عرب کے شاہ فیصل مرحوم (۱۹۰۶ء–۱۹۷۵ء) نے جون ۱۹۷۴ء میں صدر نکسن کے دورۂ سعودی عربیہ کے موقع پر نہایت دو ٹوک الفاظ میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ "مشرقِ وسطیٰ میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ ۱۹۶۷ء میں ہتھیائے گئے علاقوں سے اسرائیل کا انخلا نہیں ہوتا اور فلسطینیوں کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہو جاتا۔"[2]

مصر نے ۱۹۷۳ء میں نہر سوئیز (Suez Canal) پار کر کے اسرائیل پر ایسا حملہ کیا کہ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور اس وقت کی وزیر اعظم گولڈا مائر (Golda Mier) کو امریکہ کو S.O.S. (فوری مدد کی درخواست) روانہ کرنی پڑی۔ امریکہ نے فوراً مداخلت کی اور اس کے طیاروں کی مدد سے اسرائیل نے نہر سوئز کو پار کر کے مصری فوج کو محصور کر لیا۔ آخر کار ۱۷ ستمبر ۱۹۷۸ء کو امریکی صدر جمی کارٹر (Jimmy Carter) کے زیر سایہ صدر سادات (مصر) کو وزیر اعظم بیگن (Menachen Begin) (اسرائیل) سے ایک معاہدۂ امن پر دستخط کرنا پڑا جس کی رو سے مصر کو اسرائیل کو تسلیم کرنا اور اسرائیل کو صحرائے سینا سے نکل جانے کے علاوہ اردن کے مغربی کنارہ اور غازہ پٹی کے فلسطینیوں کو حق خود ارادی

---

[1] اس کے علاوہ میں (مجلسِ اقوام کے بارے میں) کچھ نہیں جانتا کہ کچھ کفن چوروں نے (اپنے کام میں سہولت کی خاطر) قبروں کی تقسیم کے لیے ایک انجمن بنائی ہے۔

[2] Encyclopaedia Americana, Vol. 24 Page 307

دیتا تھا۔ امریکہ کے دباؤ سے اسرائیل نے ۲۵ اپریل ۱۹۸۲ء کو سینائی کا انخلا تو کردیا لیکن مغربی کنارہ اور غازہ پٹی کو خالی کرنے سے انکار کردیا۔ کیونکہ اوائل ۱۹۸۰ء تک ہی وہ ایک لاکھ تیس ہزار فلسطینیوں کے درمیان تیس ہزار یہودیوں کو آباد کرچکا تھا[1]۔ اور اب تو اس نے مغربی کنارہ کو روسی اور اس کے پرانے حلیفوں کے یہاں سے آنے والے یہودیوں کے لیے مخصوص کردیا ہے۔ یہودی پلان کے مطابق جلد ہی مغربی کنارہ اور غازہ پٹی میں یہودیوں کی تعداد فلسطینیوں سے بڑھ جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب ناانصافیاں اقوام متحدہ کے ناک کے تلے نہیں ہو رہی ہیں۔ اسی اقوام متحدہ کے زیر سایہ اسرائیل نے کیا کیا نہیں کیا؟ آج فلسطینی جہاں کہیں بھی ہیں یہودیو اور عیسائیوں کی مشترک نفرت کا شکار ہیں صرف اس لیے کہ وہ اپنے وطن لوٹنا چاہتے ہیں جس پر اسرائیل نے قبضہ کر رکھا ہے۔ فلسطین میں آئے دن جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں اور معصوم نہتے فلسطینی مرد، عورت اور بچے اسرائیلی فوج کے درندوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اس بربریت کی جانچ کے لیے اگر کبھی کوئی کمیشن ترتیب دیا جاتا ہے تو وہ یہودی بچہ اپنے دانت اور پنجے دکھاتا ہے۔ آخر اقوام متحدہ کو ان پر ترس کیوں نہیں آیا؟ اچانک ان کی انسانیت عرب کے ریگزاروں میں ایرکنڈیشن مکانوں میں عیش وعشرت کی زندگی گزارنے والے چند لاکھ امراء کے لیے ہی کیوں جاگ اٹھی ۔ اگر اس دنیا میں عدل اور انصاف نام کی کسی شئے کا وجود باقی ہے تو آخر دنیا کے ڈیڑھ سو ممالک کو کیا ہوگیا ہے؟

آج مشرق وسطیٰ کے کم ممالک باہمی آویزش اور آپسی بے اعتمادی کا شکار ہیں جبکہ اسرائیل ایک زبردست حربی طاقت بن چکا ہے۔ یہ بات بطور خاص نوٹ کی جائے گی کہ سعودی عرب کی سرحد اگرچہ اسرائیل سے نہیں ملتی لیکن نقشہ میں اسے وہی اہم پوزیشن حاصل ہے جو مصر کو ہے۔ ۱۹۶۷ء میں صدر ناصر نے خلیج عقبہ (Gulf of Aqaba) کی ناکہ بندی کرکے بحر قلزم سے اسرائیل کی جہاز رانی مسدود کردی تھی۔ اگر سعودی عرب چاہے تو وہ بھی عقبہ کی ناکہ بندی کرسکتا ہے کیونکہ خلیج عقبہ کے مغربی کنارے کا اتصال اگر مصر سے ہے تو مشرقی ساحل کا اتصال سعودی عرب سے ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج تک سعودی عرب کو کبھی بھی اسرائیل سے جنگ کرنے کی توفیق نہ ہوسکی۔ عرب

---

۱ Encyclopaedia Americana vol 24 P 307

اسرائیل جنگ کی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کبھی بھی اسرائیل اور سعودی عرب کے درمیان ایک بھی گولی کا تبادلہ نہیں ہوا۔ پہلی بار سعودی فوج نے عراق کو تباہ کرنے کے لیے امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے زیر سایہ جنگ میں حصہ لیا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عالم عرب میں سعودی عرب ہی ایسا ملک ہے جو اسرائیل سے حالت جنگ میں نہیں ہے؟ سعودی عرب اور خلیج کی دیگر امارات نے تبلیغ دین کی مساعی میں بیشک قابل قدر حصہ لیا ہے۔ لیکن کیا اس تبلیغ دین سے ثغور اسلامیہ (اسلامی سرحدوں) کی حفاظت کی ذمہ داری ان سے ساقط ہوگئی ہے؟ اور کیا اس تبلیغ اور داد و دہش نے انھیں اللہ کی یہ اجازت دلوادی ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنا والی (تمہاوی نہیں) اور سرپرست بنالیں؟ پچھلے چالیس سالوں کا سعودی عرب کا تو ریکارڈ یہ بتلا رہا ہے کہ وہ معاذ اللہ اسرائیل ہی کے زیر پناہ زندگی بسر کرنا چاہ رہا ہے ورنہ اسرائیل کے خلاف کسی بھی ممکنہ جنگ کے لیے اس نے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور دوسرے اعداء کو خوفزدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے۔"[1]

جیسا کہ ہم حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ امریکہ اور یورپ دونوں جگہ عیسائیوں کے لباس میں یہودیوں کی حکومت ہے۔ عیسائیوں کی مسلمانوں سے نفرت کا یہ حال ہے کہ انھوں نے یہودیوں کو قتل مسیح (علیہ السلام) کے جرم سے بری قرار دیدیا ہے حالانکہ یہودی خود اسے اپنے قابل فخر کارناموں میں سمجھتے ہیں[2] لیکن عالم اسلام کی ساری "مقدس" حکومتیں امریکہ کی نہ صرف حلیف ہیں بلکہ اس کی "چاکری" میں مبتلا ہیں۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد شاہ فیصل مرحوم نے امریکہ اور صہیونیت کے خلاف قدرے سخت موقف اپنایا تھا۔ یہ انھیں کا دم خم تھا کہ عربوں نے مغربی دنیا کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کیا تھا۔

---

[1] وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ (الانفال ۶۰)

[2] القرآن۔ النساء ۱۵۷

اس کے خلاف امریکہ میں مظاہرے ہوئے تھے۔ نیویارک (New York) جو اقوام متحدہ کا ہیڈ کوارٹر ہے کے یہودی میئر (Mayor) نے ان کے اعزاز میں منعقد ہونے والا معمول کا اعزاز منسوخ کر دیا تھا۔ عرب ممالک کی موجودہ غیر معاندانہ پالیسی کا نام "لبرلزم"[1] (Libralism) ہے جس کی یہودی مبلغین (Spokesmen) سب سے زیادہ تعریف کیا کرتے ہیں[2]" یہ شکوہ ہنری فورڈ کی مقرر کردہ کمیٹی نے کیا ہے ہمارا تجزیہ اس سے کہیں آگے ہے۔ دراصل جتنے بھی "ازم" (ism) ہیں سب یہودیت ہی کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ خواہ وہ کیپٹلزم[3] (Capitalism) ہو یا فرائڈزم[4] (Freudism) مارکسزم[5] (Marxism) یا یا سوشلزم[6] (Socialism) کمیونزم[6] (Communism) ہو یا لبرلزم (Libralism) نیشنلزم[8] (Nationalism) ہو یا سیکولرزم[9] (Secularism) آج پوری دنیا ان "ازموں" کی شکار ہے۔ لیکن مسلمانوں کو اِن تمام "اِزموں" نے زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ ان کا دین کسی "ازم" کا پیوند نہیں برداشت کر سکتا۔ نیشنلزم کی تحریک نے ترکی کی خلافت اسلامیہ کو شکست دی اور مارکسزم نے تمام مسلمان ممالک کو دو متحارب گروپوں میں تقسیم کر دیا۔ سیکولرزم نے اور گُل کھلائے۔ اس نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے دور اور لاتعلق کر دیا۔ اسلام کی روح ہر جگہ ناپید ہے۔ یہودی سازش مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہمیشہ کامیاب رہی ہے۔

آج عراق اور شام دونوں جگہ بعث پارٹی کی حکومت ہے۔ اس پارٹی کا بانی مائیکل عفلک نامی ایک عیسائی تھا۔ اس نے عرب قومیت کو اپنی بنیاد بنایا تھا۔ اس کے باوجود عراق اور شام میں ایک دن بھی نہیں بنی۔ ترکی جیسا خلافت اسلامیہ کا گہوارہ سیکولرزم یا لادینیت کا پیرو ہے۔ جو ممالک برائے نام اسلام کے نام لیوا ہیں ان کا کیا ذکر جہاں

---

[1] بمعنی آزاد خیالی [2] International Jew Page 31 [3] یعنی سرمایہ داری۔

[4] سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) ۱۸۵۶ء–۱۹۳۹ء مشہور ماہر نفسیات جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسانوں کے جملہ امیال و عواطف جنسی جذبہ کے رہین منت ہیں اور خواب تحت الشعور کا مظہر ہے۔ اس کی دو کتابیں بہت مشہور ہیں ایک Interpretation of Dreams دوسرے

[5] کارل مارکس (Karl Marx) ۱۸۱۸ء–۱۸۸۳ء جرمن انقلابی جس نے جدلیاتی تاریخ کا نظریہ پیش کیا۔

[6] مارکس کے نظریات کی عملی شکل بمعنی اشتراکیت اور اشتمالیت۔

[8] قومیت [9] لادینیت

اسلامی قانون نافذ ہے وہاں بھی روحِ اسلام ناپید ہے۔

نام نہاد اسرائیل میں یہودیوں کا سلوک عیسائیوں سے بھی اچھا نہیں ہے لیکن قرآن کی زبان میں یہ خود ایک دوسرے کے دوست ہیں[1]۔ اور اسلام دشمنی میں دونوں مشترک اسی لیے عیسائی دنیا اسرائیل میں یہودیوں کا شرمناک سلوک برداشت کر لیتی ہے۔

عراق تیل پیدا کرنے والے ممالک پر ہمیشہ زور دیتا رہا کہ تیل کی قیمت بڑھائی جائے لیکن عرب کے شیوخ نے ہمیشہ اہلِ مغرب کی ہوس کا لحاظ کیا۔ ان ممالک کی سب سے بڑی بدقسمتی وہاں کی شخصی حکومتوں کے مصالح ہیں۔ اگرچہ غیر شخصی حکومتوں میں بھی پارٹی کی آمریت ہے۔ لیکن شخصی حکومتوں کی کمزوری یہ ہے کہ ان کے حکمرانوں کے دلوں میں یہ ڈر سمایا رہتا ہے کہ کہیں کوئی انقلاب ان کا خاتمہ نہ کر دے۔ اسی لیے اپنی ذاتی دولت کو یہ یورپ اور امریکہ کے بینکوں میں رکھتے ہیں۔ ان کا سارا ملکی سرمایہ بھی انھیں ترقی یافتہ اسلام دشمن ملکوں میں تجارتی سرمایہ کاری میں لگا ہوا ہے تاکہ کسی ممکنہ انقلاب کے بعد ان کے عیش و عشرت کا تحفظ ہو سکے۔ اس کے بہت سے نقصانات سامنے آئے ہیں۔ اول تو یہ کہ سعودی ریال اور کویتی دینار اپنے استحکام کے باوجود عالمی زرِ مبادلہ کا درجہ حاصل نہ کر سکے۔ دوسرے اس دولت اور زرِ مبادلہ کی وجہ سے امریکہ اور یورپ کی معیشت اور تجارتی منڈیوں کو استحکام حاصل ہوا ہے جبکہ خود ان ممالک کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ اس زرِ مبادلہ اور تجارتی سرمایہ کاری کا سود ہی اتنا زبردست ہوتا ہے کہ صرف اسی سود سے اسرائیل کی پرورش اور نگہداشت ہو رہی ہے اور اس وقت وہ مشرقِ وسطیٰ کے سب سے بڑے اور طاقتور اژدہا کے روپ میں سامنے ہے جو اپنی طاقت کے بل بوتے پر کسی بھی عرب ملک کو ہڑپ کر سکتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے یہ ممالک عربوں کا سارا تیل کوڑیوں کے مول خریدتے ہیں اور اسی پٹرولیم کی مصنوعات کو انتہائی درندگی سے تمام دنیا اور خود عربوں کو انتہائی گراں قیمت پر سپلائی کرتے ہیں۔ معاشیات (Economics) کے نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو تبلیغِ دین کی مساعی میں ہماری ان "مقدس" حکومتوں کا جو مالی تعاون ہے وہ اسرائیل کے استحکام کے لیے ان کے بالواسطہ مالی تعاون کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ افسوس کہ اس نکتہ پر نہ تو کسی ماہرِ معاشیات نے غور کیا ہے

[1] المائدہ: ۵۱

نہ ہی کسی شماریاتی (Statistical) ادارہ نے۔

خلیج کی جنگ میں مسلمانوں کا قتل عام اور ایک مسلم طاقت کی بربادی عین یہودی پلان کے مطابق ہے۔ امریکہ اور اس کے یوروپین حلیفوں کا بھی اس سے دہرا مقصد پورا ہو رہا ہے۔ ایک تو خلیج میں بالادستی تاکہ تیل کے ذخائر ان کی دسترس میں رہیں۔ دوسرے اسرائیل کے تحفظ کو یقینی بنانا۔ یہ طاقتیں اسی لیے اسرائیلی جارحیت کو پسپا کرنے کی بات سنتی تک نہیں ہیں کیونکہ یہودیوں کے بین الاقوامی دباؤ کے تحت یہ اسرائیل کی توسیع کی پالیسی میں اسے مدد دینے کے لیے مجبور ہیں۔ نام نہاد اسرائیل نے اس بات کو کبھی نہیں چھپایا ہے کہ اس کی مملکت کی سرحد فرات سے نیل تک ہے۔ عالمی ادارہ صہیونیت نے عظیم تر اسرائیل کا جو نقشہ شائع کیا ہے وہ کویت کے شائع کردہ پروٹوکول کے نسخہ موسومہ Jewish Conspiracy میں موجود ہے۔ ہم اس کا عکس اس مضمون کے ساتھ منسلک کر رہے ہیں۔ اس کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ یہودی اژدہا مشرق میں عراق شمال میں ترکی کا جنوبی حصہ مغرب میں تقریباً پورا مصر اور جنوب میں مدینہ تک کا علاقہ ہڑپ کرنے کو تیار ہے۔ اسرائیل نے اپنی پارلیمنٹ (Kenne set) کے داخلی دروازہ پر یہ جملہ لکھ رکھا ہے "اے اسرائیل! تمہاری سرحد فرات سے نیل تک ہے"۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے یہودی قوم تقریباً دو ہزار سال سے اس مسیح موعود کی منتظر ہے جو انھیں غلامی سے آزاد کرائے گا اور تمام دنیا سے یہودیوں کو لاکر فلسطین میں جمع کردے گا۔ افسوس کہ انھوں نے اس مسیح کو جس کے وہ منتظر تھے بزعم خود کبھی کا صلیب پر چڑھا دیا ہے[1] لیکن پروپیگنڈہ کا جادو دیکھئے کہ آج اس "خداوند" کے ماننے والے خود اس کے محافظ بن گئے جس "خداوند" کو تقریباً دو ہزار سال پہلے یہودی خود بزعم خود صلیب پر چڑھا چکے ہیں[2]۔

مجلس اقوام کی جانشین اقوام متحدہ نے ۲۹ نومبر ۱۹۹۰ء کو امریکہ کے دباؤ میں آکر

---

[1] انجیل متی ۲۷: ۳۶، انجیل مرقس ۱۵: ۲۵ انجیل لوقا ۲۳: ۳۳

[2] اللہ نے بتلایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں دی گئی بلکہ یہ معاملہ مشتبہ کر دیا گیا۔ انھیں تو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ (القرآن، النساء ۱۵۷، ۱۵۸)

عراق کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی اجازت دی تھی[1]۔ یکم دسمبر ۱۹۹۰ء کو عراق نے کویت کے مسئلہ کے ساتھ مسئلہ فلسطین کو جوڑا تھا جسے امریکہ نے مسترد کر دیا۔ آج تک اقوام متحدہ نے کبھی بھی فلسطین کے معاملہ میں اسرائیل پر دباؤ نہیں ڈالا۔ اگر اس کے لیے کسی طرف سے کوئی بھی کوشش ہوئی تو اسے امریکہ نے مسترد (Veto) کر دیا جسے وہاں حق استرداد حاصل ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ دہائیوں میں بہت سی بڑی مچھلیوں نے چھوٹی مچھلیوں کو نگلا ہے، لیکن اقوام متحدہ کو کسی کے خلاف فوج کے استعمال کی اجازت دینے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اس بارے میں تنہا امریکہ کے جرائم کا ریکارڈ یہ ہے۔

۱۔ پنامہ کے صدر ٹورنجوس (Torijos) کا قتل۔

۲۔ نہر پنامہ پر بالادستی قائم رکھنے کے لیے پنامہ پر حملہ۔

(۳) چلی (Chile) کی تانبے کی کانوں پر یو ایس کارپوریشن اناکونڈا کی بحالی کے لیے وہاں کے منتخب صدر الندے (Allende) کا قتل۔

(۴) نکاراگوا (Nicaragua) جس کے بارے میں ہیگ (The Hague) کی بین الاقوامی عدالت نے امریکہ کی سرزنش کی۔

(۵) ڈومینیکن ریپبلک۔ (Dominicon Republic)

(۶) کوسٹاریکا۔ (Costa Rica)

(۷) گریناڈا (Grenada)

(۸) اور سب سے بڑھ کر (Vietnam) کی طویل جنگ جو اقوام متحدہ کے زیر علم لڑی گئی اور جس میں امریکہ کو نہایت ذلت آمیز شکست ہوئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کو یہ حق کیسے حاصل ہو گیا کہ وہ فلسطین کے مسئلہ کو دوسری نگاہ سے دیکھے اور کویت کے مسئلہ کو دوسری نگاہ سے۔ دونوں معاملات میں اس کا میزان عدل الگ الگ ہو۔ ۱۹۶۷ء میں شام سے حاصل کیے گئے گولان کی پہاڑیوں۔ اردن کے مغربی کنارہ بشمول قدیم بیت المقدس (Jerusalam)

---

[1] ریزولیوشن نمبر ۶۷۸

اور غازہ پٹی کو اسرائیل نے اپنی مملکت میں ضم کرلیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ۷ر جون ۱۹۶۷ء کے قبضہ کردہ یروشلم کو اس نے ۲۹ر جون ۱۹۶۷ء کو اپنا پایہ تخت قرار دے دیا۔ وہی یورپ اور امریکہ جن کے دلوں میں آج کویت کے لیے شدید درد اٹھ گیا ہے۔ اس وقت نہ صرف مہر بلب رہے بلکہ کھلم کھلا اسرائیل کی پشت پناہی کی اور بہتوں نے تو تل ابیب (Tel Aviv) سے یروشلم اپنے سفارت خانوں کو منتقل کرلیا۔ عرب کی ہماری یہ حکومتیں کوئی مؤثر احتجاج نہ کرسکیں۔ وہ ۱۹۸۱ء میں اسرائیل کے ذریعہ عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کی تباہی پر بھی کچھ نہیں کرسکے تھے اور اس بارے میں سعودی حکومت کا حال تو یہ رہا ہے کہ یہ نہ تو ۱۹۶۷ء کی عقبہ کی ناکہ بندی میں شریک رہا نہ ہی اسے آج تک اسرائیل کے خطرہ کا کچھ احساس ہوا۔ علماء کرام بیشک اس کے لیے پریشان رہے ہوں گے۔ لیکن اس "اسلامی ملک" میں حکومت کے خلاف زبان کھولنے کی اجازت کسے حاصل ہے؟ یہ مقدس فتاوے جو آج شائع ہو رہے ہیں اگر حکومت کی موافقت میں نہ ہوتے تو کیسے شائع ہو پاتے۔

آئیے ذرا اسلامی تاریخ کو بھی عبرت پذیری کی نگاہ سے دیکھ لیں۔ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں کے ہاتھوں ٹیپو سلطان کی شہادت ہوئی۔ میسور کی اس چوتھی جنگ میں انگریزوں کا حلیف صرف نظام حیدرآباد تھا۔ اس کی حکومت کے کچھ حصہ پر ٹیپو نے قبضہ کرلیا تھا۔ اس لیے انگریزوں کی اس بندر بانٹ میں وہ بھی شریک ہو گیا۔ آج دو سو سال بعد تاریخ نے اسے کس نام سے یاد رکھا ہے؟ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ (۱۱۳۷ء–۱۱۹۳ء) نے تیسری صلیبی جنگ میں ۲ر اکتوبر ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس فتح کرلیا تھا۔ لیکن اس کے لیے اسے پوری عمر میدان جنگ میں گزارنی پڑی اور اصل مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے بہت سے مسلم امراء اور حکمرانوں کو ختم کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ فتح بیت المقدس سے دس سال قبل ۱۱۷۱ء میں اس نے قاہرہ کی فاطمی خلافت کا چراغ بھی گل کردیا کیونکہ صلیبیوں اور باطنیوں سے ان کی سانٹھ گانٹھ رہا کرتی تھی۔ ان تمام امراء اور حکمرانوں خصوصیت کے ساتھ فاطمی خلافت کو بعض علماء سوء کے فتاووں کی تائید بھی حاصل رہی ہوگی۔ لیکن اگر صلاح الدین یہ نہ کرتا تو بیت المقدس کبھی نہ فتح ہوتا اور اگر یہ لوگ

---

۹ Encyclopaedia Americana, vol. 16, Page 17

ایوبی کی راہ کا روڑا نہ بنتے تو بیت المقدس بہت پہلے فتح ہو چکا ہوتا۔ بلکہ باطنیوں کا بھی قلع قمع ہو جاتا۔ پھر بھی چوتھی صلیبی جنگ میں اسے انگلستان کے شہنشاہ رچرڈ (Richard) کے ہاتھوں ۱۱۹۱ء میں عکہ (Acre) کی شکست برداشت کرنی پڑی[۱]۔ کیونکہ ان عظیم صلیبی جنگوں میں جن میں ایشیا اور یورپ کی تمام مسیحی طاقتیں یکجا تھیں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو کہیں سے کوئی مدد نہیں ملی۔ حالانکہ اس زمانہ میں بین الاقوامی آمدورفت (Immigration) کے وہ قوانین نہیں تھے جو آج جاری ہیں۔ تاریخ کے اس حادثہ کا جغرافیائی تجزیہ کیجئے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ایک فتنہ جو لبنان اور ایک غارتگر اسرائیل کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن عکہ کا سقوط ہوا تھا۔ اور اس کی ذمہ داری سے اس زمانہ کے امراء اور بادشاہ بری نہیں ہیں۔ سلطان جلال الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست کا سبب بھی اس کے سالاروں کی پھوٹ تھی۔ سقوط بغداد اور خلافت بنو عباس کا خاتمہ (۱۲۵۸ء) بھی حنابلہ اور شیعوں کی آویزش کے نتیجہ میں واقع ہوا جبکہ عباسی خلیفہ کے شیعہ وزیر اعظم ابن علقمی نے ہلاکو خاں کو خلافت اسلامیہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور پورے ملک میں وہ خون خرابہ ہوا کہ شیخ سعدیؒ کو کہنا پڑا

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں ۔۔۔ بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

پہلی صلیبی جنگ میں سقوط بیت المقدس (۱۰۹۹ء) کا سبب بیان کرتے ہوئے ایک محقق لکھتا ہے "فتح (بیت المقدس) کا سبب عیسائی فوجوں کی شجاعت سے زیادہ یہ تھا کہ مشرق کا مسلمان باہمی افتراق کا شکار تھا اور وہ سمندر پار کے اس اچانک اور بلا اشتعال حملہ سے مبہوت رہ گیا (اس وقت) دو مخالف خاندان یعنی مصر کے فاطمی اور بغداد کے عباسی امیر المومنین ہونے کے دعوے دار تھے[۲]" اسپین کی تو نصف تاریخ ہی عیسائیوں کی "پرخلوص" دوستی کا "مقدس" نوحہ ہے۔

یہ چند مثالیں ہم نے صرف اسلامی تاریخ سے پیش کی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو تاریخ عالم میں اس کی لاتعداد مثالیں ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ تو ان مثالوں سے

---

[۱] عکہ (Acre) موجودہ اسرائیل کی ایک شمالی بندرگاہ ہے۔

[۲] Encyclopaedia Americana, vol. 8, Page 265

بھری پڑی ہے۔ ہر فریق جو اپنے کو برسرِ حق سمجھتا ہے وہ شرعی فتاوے بھی حاصل کر لیتا ہے۔ کیونکہ مفتی جواب دینے میں مستفتی کے پیش کردہ الفاظ اور صورتِ حال کا پابند ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ کا فتویٰ عجیب و غریب ہے۔ جب سوا دو سو سال بعد آج کے عالمِ اسلام کی تاریخ مرتب کی جائے گی تو اس کا ریکارڈ یہی ہوگا کہ صدر صدام کی "جراُتمندانہ حماقت" کامیاب ہوگئی لیکن شاہ فہد کی "بزدلانہ فرزانگی" بالکل ناکام ہوگئی اور صلیبی اور صہیونی طاقتوں نے اپنی ریشہ دوانیوں اور بالفعل جنگی کارروائیوں سے پورے عالمِ اسلام کو دفاعی جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بنجر کر کے رکھ دیا ہے۔

مسلم ممالک کی اپنی اقوام متحدہ تشکیل دی جانی چاہیے تاکہ بین الملی مسائل کو اس کے ذریعہ سے حل کیا جا سکے۔ اس سے قبل اُمّہ کمیٹی قائم ہوئی تھی لیکن اس کی وہ ساکھ قائم نہیں رہ سکی جس کی وہ مستحق تھی۔ مجوزہ اسلامی اقوام متحدہ کو اسلامی بنیادوں پر اس طرح استوار ہونا چاہیئے کہ اس کو بہت سے اختیارات بھی ہوں۔ یہ اقوام متحدہ انشاء اللہ یہودی سازشوں کی آماجگاہ اور امریکی طاقت کی علامت نہ ہوگی۔ اگر برطانیہ اپنی دولت مشترکہ (Common Wealth) اور یورپ اپنی مشترکہ منڈی (European Common Market) بنا سکتے ہیں تو ایک اسلامی اقوام متحدہ کیوں نہیں قائم ہو سکتی۔

منصب خلافت کے احیاء کے لیے آج سے زیادہ کوئی وقت اس کے لیے سازگار نہیں ہوگا۔ دنیا بھر کے یہودی اپنے کو ایک قوم کہتے ہیں اور ایک مرکز سے وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ پوری عیسائی برادری اپنے مفاد کے لیے ہمیشہ یکجا ہو جاتی ہے۔ صلیبی جنگوں کے زمانہ کی تاریخ آج بھی دہرائی جا رہی ہے۔ یہودی اور عیسائی اللہ کے فرمان کے بموجب مسلمانوں کے مقابل میں ایک ہو جاتے ہیں۔ خلیج کی اس جنگ کے بہانہ برطانیہ نے بارہا پورے یورپ کو متحد ہونے کے لیے غیرت دلائی ہے۔ آخر مسلمانوں کو کب ہوش آئے گا کہ خلافت کے جھنڈے تلے متحد ہوں۔

سلطان عبدالعزیز ابن سعود مرحوم نے ۱۹۲۶ء میں اس منصب عظیم کو ٹھکرا دیا تھا۔ افسوس کہ شاہ فیصل مرحوم کے زمانہ میں ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی سانحہ کے بعد جو ممالک اسلامیہ کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں مرحوم شاہ فیصل نے

خود ادارۂ خلافت کی ناموجودگی کا ماتم کیا تھا ورنہ فیصل جیسا بیدار مغز حکمران اس منصب کا اہل تھا۔ واضح رہے کہ خلافت چاہے خاندانی رہی ہو یا برائے نام ہی قائم رہی ہو اس کا اثر پوری امت پر ہمیشہ پڑا ہے۔ سلطان محمود غزنوی حکومت غزنی میں کرتا تھا لیکن پروانۂ اجازت بغداد سے منگواتا تھا۔ ٹیپو سلطان کی حکمرانی میسور میں تھی۔ لیکن بابِ عالی قسطنطنیہ کے پروانۂ حکومت کو سر پر رکھتا تھا۔ یہ اس کے ملک کے لیے بڑے اعزاز اور اکرام کی بات ہے جو اس منصب جلیلہ کا احیاء کرے۔ کاش جزیرۃ العرب ہی سے اس کا احیاء ہو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس منصب کو ایک دن بھی خالی نہیں رہنے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول چن لیا گیا۔ لیکن واضح رہے کہ خلافت اسلامیہ کو امریکہ یا برطانیہ کا تابع فرمان نہ ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے اصل دشمن یہود و نصاریٰ ہیں جن کے خلاف قرآن میں تنبیہ کی گئی ہے۔ اور احادیث میں ان سے اجتماعی جنگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ مسلم حکمرانوں کو اس وقت کے لیے اپنے کو تیار کرنا چاہیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور پھر وہ جنگ لڑی جائے گی جو قیامت کی نشانیوں میں سے ہے[1]۔

---

[1] یہودی ایک مسیح موعود کے منتظر چلے آرہے ہیں حالانکہ وہ مسیح دو ہزار سال پہلے آچکے۔ لیکن ایک مسیح کاذب دجال کی شکل میں آنے والا ہے۔ اس کو قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام دوبارہ تشریف لے آئیں گے اس کی طرف قرآن میں اشارے موجود ہیں (النساء ۱۵۷ تا ۱۵۹) حدیث کی تمام معتبر کتابوں میں مسیح دجال اور مسیح عیسیٰ کی آمد کی خبر دی گئی ہے اور اس کو قیامت کی نشانیوں میں بتلایا گیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ نام نہاد اسرائیلی ریاست کا قیام اور دنیائے عیسویت کی طرف سے اس کی متفقہ پشت پناہی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس فتنہ کی روک تھام کے لیے ابھی سے تیاری کرلیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے صحاح ستہ، مسند احمد، مشکوٰۃ، طبرانی اور مستدرک حاکم کے حوالوں سے مذکورہ احادیث میں سے ۲۱۔ احادیث ایک جگہ جمع کردی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم صفحات ۱۵۴ تا ۱۶۲۔ اس طرح یہودیوں اور عیسائیوں سے جنگ کا وقوع محض مستقبل کی ایک تاریخ نہیں بلکہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ بھی ہے۔

AHMED SHERIFF
MARAPPA THOTA
BANGALORE

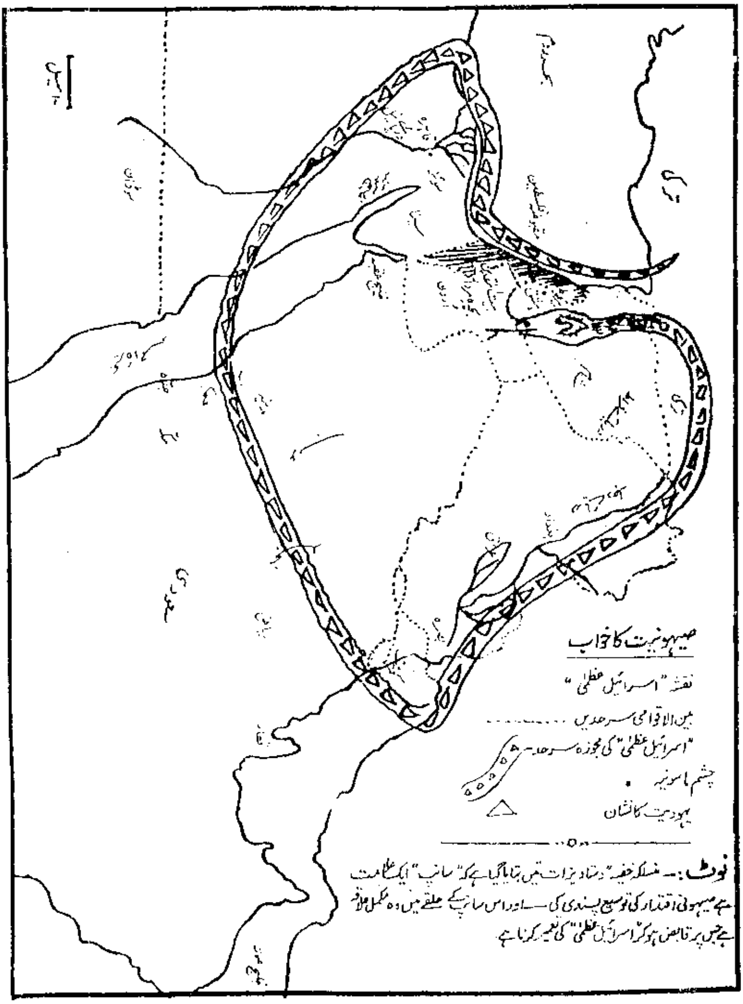

نوٹ :- منسلکہ خفیہ "دستاویزات" میں بتایا گیا ہے کہ "سانپ" ایک علامت ہے صیہونی اقتدار کی توسیع پسندی کی — اور اس سانپ کے حلقے میں وہ مکمل علاقہ ہے جس پر قابض ہو کر "اسرائیل عظمیٰ" کی تعمیر کرنا ہے